سوال وجواب

دین اور ثقافت کا تعلق

قاری عبدالعزیز صاحب ۱۵ا جے ماڈل ٹاؤن سے دریافت کرتے ہیں کہ:
ثقافت سے آپ کی کیا مراد ہے اور دین سے اسے کتنا لگاؤ ہے؟ اس کا جواب
درج ذیل ہے:

ثقافت ترجمہ ہے کلچر کا اور یہ بڑا ہمہ گیر مفہوم رکھتا ہے۔ کسی قوم یا ملک کی تمام خصوصیات اس میں داخل ہیں۔ لباس، غذا، زبان، رنگ، پیشہ، ادب، طرزِ زندگی، انداز معاشرت، ذوقِ ترک و اختیار، معاملات بیع وشراء، قوانین مناکحت و مفارقت، اصول انعام وتعزیر حتی کہ مشرب ومسلک کا انتخاب وغیرہ ان تمام چیزوں کے مجموعے کا نام ہے کلچر یا ثقافت۔

یہ تو تھا سوال کے پہلے حصے کا جواب۔ رہا دوسرا حصہ کہ دین سے اس کا کتنا بھر لگاؤ ہے؟ تو یہ ذرا تفصیل چاہتا ہے سب سے پہلے نفس دین کو سمجھ لینا چاہیئے۔

اگر آپ کائنات پر ایک نگاہ ڈالیں تو ہر جگہ آپ کو کچھ قوانینِ فطرت کارفرما نظر آئیں گے جن میں کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوتا انسان بھی اسی طرح کی فطرت پر پیدا ہوا ہے۔ انسانوں کا رنگ، زبان، ذوق، نسل، وطن، پیشہ اور دیگر اجزائے ثقافت، حتی کہ شکل وصورت اور ڈھانچہ سب کچھ جُداگانہ ہے اور مختلف۔ لیکن کچھ فطرتیں ایسی بھی ہیں جو ساری انسانی آبادی میں مشترک ہیں ـــ تھیں ـــ اور رہیں گی۔ ان کے بقا وقیام پر سارے انسان فطرۃً مجبور ہیں۔ سانس سب لیتے ہیں، کھانا سب کھاتے ہیں، پیاس سب کو لگتی ہے، نیند سب کو آتی ہے، جنسی میلان سب رکھتے ہیں۔ طریقہ پیدائش سب کا ایک ہے۔ بچپن کا دور اور اس کے آگے کے ادوار سب پر گزرتے ہیں۔ دوستی و دشمنی کے جذبات سب میں ہوتے ہیں ـــ وغیرہ وغیرہ۔ غرض یہ قوانین فطرت سب میں یکساں طور پر مشترک ہیں اور کلچر کا کوئی اختلاف ان میں تغیر و تبدل نہیں پیدا کرتا۔

بالکل یہی شکل دین کی بھی ہے۔ ذوق کے ہزار اختلافات کے باوجود کچھ اقدار ایسی ہیں جو سارے انسانوں کے دل کی آواز ہیں، فطرتِ انسانی کا ایسا تقاضا ہیں کہ شریعتوں کا اختلاف بھی اس اشتراک کو نہیں توڑ سکتا۔ اس لئے کہ تمام انسانوں کے لئے یہی اقدار مرکزِ اجتماع ہیں، فطرت انسانی کے مشترک قوانین کی طرح یہ بھی ناقابلِ ردّوبدل ہیں اور وحدتِ انسانی کا مقصد یہیں آکر پورا ہو سکتا ہے۔ قرآنِ پاک کی زبان سے اس روشن حقیقت کو سنئے:

فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا ۔ لا تبدیل لخلق اللہ ۔ ذلک الدین القیم
ولکن اکثر الناس لا یعلمون ○ (۳۰ : ۳۰)

اس فطرۃ اللہ پر غور کرو جس پر اس نے سارے انسانوں کو پیدا کیا ہے (اور جو سب میں مشترک ہے) اس
فطری قانونِ خلق میں کوئی تغیر نہیں ہوتا (کیونکہ یہ ازلی و ابدی ہے) دین قیم کی بھی یہی مثال ہے۔ مگر
بہت سے لوگ اتنی سیدھی سی بات کو بھی نہیں سمجھتے۔

یہ ہے دین قیم کی حقیقت۔ یہی ہے تمام انبیا کا مشترک دین اور یہی ہے وہ "کلمہ سواء" جس کی طرف اہلِ کتاب کو قرآن نے یوں دعوت دی ہے کہ:

تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم الخ (۳: ۶۴)

آؤ ایک ایسے کلمے کی طرف جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے۔

یہ کلمہ سواء کیا ہے؟ اسے بھی سنئے:

الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ (ایضاً)

کہ اللہ کے سوا کسی کی غلامی نہ کریں اور نہ کسی کو اس کا شریک کریں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے بالمقابل رب نہ بنائے

دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ خدا کی عبودیت اور جمہوریت۔ تمام اعلیٰ اقدارِ انسانی اس کلمہ سواء میں داخل ہیں یہ ساری قدریں آخر میں ایک "وحدتِ قدر" پر منتہی ہو جاتی ہیں اور اسی کا نام ہے وحدتِ ربانی۔

اس وحدتِ ربانی کا براہِ راست اثر وحدتِ انسانی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ وحدتِ ربانی میں جتنی قوت ہوگی اتنا ہی وحدتِ انسانی کا ذوق بڑھے گا اور اس وحدتِ انسانی میں جتنا ضعف ہو اسی قدر وحدتِ ربانی میں ضعف سمجھنا چاہئے۔ وحدت خواہ ربانی ہو انسانی جب پارہ پارہ ہو تو اسی کا نام ہے شرک۔ جس طرح کئی خدا بنا لینا شرک ہے اسی طرح دین کے کئی ٹکڑے کر کے انسانوں کو مختلف گروہوں میں بانٹ دینا بھی قرآنی اصطلاح میں شرک ہے۔ ذرا ان الفاظ پر غور فرمائیے جو فطرت اللہ الخ والی آیت کے بعد ہی ہے:

ولا تکونوا من المشرکین۝ الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا۔ (۳۰: ۳۱، ۳۲)

اس طرح کے مشرک نہ بن جانا جنھوں نے دینی تفریق کر کے مختلف ٹولیاں بنالیں۔

آپ نے غور فرمایا؟ یہاں پتھر کی مورتیاں پوجنے والے مشرکوں کا ذکر نہیں۔ یہاں ثقافت (کلچر) کے پجاریوں کا ذکر ہے۔ جب ثقافت ہی کو اصل دین سمجھ لیا جائے گا تو ظاہر ہے کہ ہر ملک اور قوم کا دین الگ ہو جائے گا۔ اُدھر وحدتِ دینی کا نازک آبگینہ چور چور ہو گا اور ادھر وحدتِ انسانی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔ لیکن اگر ثقافت کے تمام اختلافات کو پوری رواداری کے ساتھ انگیز کر لیا جائے اور اسے دین کا درجہ نہ دیا جائے تو دین کی حقیقت خود بخود ابھر کر سامنے آ جائے گی اور یہ یقیناً کوئی ایسی ہی قدرِ مشترک ہو گی جو فطرتِ انسانی کی طرح ازلی ابدی اور ناقابلِ تغیر و تبدل ہو گی اور سارے انسانوں کی واحد اندرونی آواز ہو گی۔ قرآنِ پاک کی زبان سے ذرا اس حقیقت کو بھی سنئے:

ولکل وجھۃ ھو مولیھا فاستبقوا الخیرات ۔ (۲ : ۱۴۸)
ہر ایک کی اپنی اپنی الگ الگ سمت ہوتی ہے جس کی طرف وُہ مڑا رہتا ہے اس سے نظر ہٹا کر، خیر کی طرف آگے بڑھو

اس کی مزید تشریح قرآن ہی کی زبانی سنئے :

لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا ولو شاء اللہ لجعلکم امۃ واحدۃ ولکن لیبلوکم فیما اٰتکم فاستبقوا الخیرات (۵ : ۴۸)

تم میں سے ہر ایک (امت) کے لئے ہم نے علیحدہ علیحدہ شریعت اور راستہ بنایا ہے ۔ اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی اُمت بنا دیتا مگر تمہیں اس نے جو کچھ (شرع) دیا ہے اس میں تمھیں آزمانا چاہتا ہے ۔ لہٰذا خیر کی طرف لپکو ۔

ان دونوں آیتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شرعت (شریعت و قانون) اور منہاج (اس پر چلنے کا راستہ و طریقہ) مختلف ہو سکتا ہے ۔ دُوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ ثقافت (کلچر) مختلف ہو سکتے ہیں لیکن یہ اختلاف کوئی قابل اعتنا چیز نہیں ۔ مقصد ان سب کا "حصول خیر" ہونا چاہئیے اور اسی اصل مقصد کی طرف لپکنا چاہئیے ۔ منزل مقصود "خیر" ہے ۔ راستہ نہیں ۔ زیادہ واضح لفظوں میں یوں کہئے کہ مقصد اصلی دین ہے، کوئی متعین ثقافت یا کلچر نہیں ۔ دین ثقافت میں جتنا بھر دخل دیتا ہے اسے ہم شمارۂ اوّل میں "اغراض و مقاصد" پر بحث کرتے ہوئے یوں واضح کر چکے ہیں کہ :

مختلف ثقافتوں کے متعلق دین (اسلام) کا رجحان یہ ہے کہ :

(۱) نہ کسی کے کلچر سے کوئی تعرض کیا جائے نہ کسی متعین کلچر کو کسی پر ٹھونسا جائے ۔

(۲) ہر ایک کی ثقافت کے صرف اتنے حصے کو بدل دیا جائے جس کا رُخ خیر کی طرف نہ ہو ۔

(۳) جس کلچر میں کوئی خیر نظر آئے اسے لے کر اپنے کلچر کا جزو بنا لیا جائے ۔

غرض یہ ہے کہ اگر شرعت و منہاج یا کلچر کو ہر ایک پر ٹھونسنا مقصود خداوندی ہوتا تو ـــــ جیسا کہ اوپر کی آیت میں ہے ـــــ یہ کام خدا خود ہی کر سکتا تھا لیکن اس نے اس لئے ایسا نہیں کیا کہ وہ اسی میں ہمارا امتحان کرنا چاہتا ہے ۔ یہ امتحان کیا ہے ؟ ثقافتوں کی کثرت ہی میں وحدتِ دینی اور وحدتِ انسانی کی تلاش کی ذمے داری ہم پر ڈالنا ہے ۔

اس امتحان میں ہم کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں؟ اس کا اندازہ اپنی تاریخ سے کیجئے ۔ اسلامی تاریخ کا یہ باب بڑا اندوہناک ہے کہ مختلف اقوام کے قبولِ اسلام کے بعد جب "اصل دین" کی گرفت ڈھیلی ہوئی، تو ہر ایک قوم یا گروہ نے اپنے ثقافتی فروع کو ہی دین سمجھ لیا، بلکہ جہاں دین اور ان کی اپنی ثقافت کا ٹکراؤ پیدا ہوا وہاں اُنھوں نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ اپنے کلچر کو دین سے مخلوط کر دیا بلکہ بعض اوقات یہ بھی کیا کہ اپنی ثقافت کو دین کی گردن پر سوار کر دیا اور اس پوری تاریخ کا نام "اسلامی تاریخ" پڑ گیا حالانکہ یہ تاریخ اسلام نہیں بلکہ "تاریخ مسلمین" ہے ۔

آج کل یہ ایک فیشن چل پڑا ہے کہ جو بھی باتیں اسلام کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں ان کو "سازشِ عجم" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اگر "سازشِ عجم" کا لفظ غیر قرآنی باتوں کے لئے بطور اصطلاح بولا جائے پھر تو اور بات ہے، ورنہ سازشِ عجم نے دین کو جتنا نقصان پہنچایا ہے اس سے کم نقصان سازشِ عرب نے نہیں پہنچایا ہے۔ خلافت راشدہ کے بعد قیصریت وکسرویت کو، شاہنشاہی وملوکیت کو، نسلی جانشینی کی بدعت کو اہل اسلام میں کس نے زندہ کیا؟ عجمیوں کے لئے بے سر و پا روایات کا مواد کس نے مہیا کیا؟ معمولی معمولی لایعنی مسائل پر کشت وخون کا بازار کس نے گرم کیا؟ بڑے بڑے ائمہ دین کو جلد وحبس کی سزائیں کس نے دیں؟ یہ حرم سرائیں اور یہ انبارہائے بردہ فروشی کس نے قائم کئے؟ ــــ عجمیوں سے پہلے یہ سب کچھ عربوں ہی نے کیا اور اپنے اعمال کی توجیہ (JUSTIFICATION) یا اپنی غیر اسلامی زندگی کو اسلام بنا کر پیش کرنے کی پہلی سازش عربوں ہی نے کی۔ بلاشبہ ان کے بہت سے ملوک دنیا کے دوسرے بے شمار ملوک کے مقابلے میں بہت اونچے تھے اور ان بے عنوانیوں کے ساتھ ان کی بہت سی قابلِ ستائش خدمات بھی ہیں لیکن ــــ شعوری یا غیر شعوری طور پر ــــ یہ غلطی ان سے بہرحال ہو گئی کہ اپنے عربی کلچر کو انھوں نے عین دین بنا دیا یا یوں کہیئے کہ اسے اسلام کی گردن پر سوار کر دیا۔

غور فرمایئے، دین بغیر سنت کے مکمل نہیں ہوتا اور سنت میں .... عمامہ باندھنا، عبا چوغہ پہننا، اونٹ پر سوار ہونا، پنیر کھانا، عربی بولنا وغیرہ بھی داخل ہو گیا۔ لہٰذا یہ سب کچھ ــــ جو دراصل صرف ایک عربی کلچر ہے ــــ جزوِ دین بن گیا۔ اب جو اسے ترک کرے وہ تارکِ سنت اور جو اس پر عمل کرے وہ مستحق ثواب ٹھہرا ــــ

اگر "کتاب وحکمت" کی قرآنی اصطلاح باقی رکھی جاتی اور اس کی بجائے "کتاب وسنت" کو ــــ وہ بھی غلط معنوں میں ــــ بنائے دین نہ قرار دیا جاتا تو کسی خاص کلچر کو داخل دین کرنے کی ضرورت نہ پڑتی اور نہ کسی دوسری ثقافت کو غیر اسلامی ثقافت سمجھ کر اس سے تعصب پیدا کرنے کی نوبت آتی۔ اسی ثقافتی تعصب نے تحزّب وتفرق پیدا کیا۔ پھر جس قدر اس پر شدت اختیار کی جاتی رہی اسی قدر اصل دین کی گرفت ڈھیلی ہوتی چلی گئی۔ یہ قاعدہ ہے کہ جب فروع پر زیادہ زور دیا جائے گا تو اصول کے نیچے دب کر کمزور اور بے بس ہو جائیگا۔ ثقافتی تعصب کا نتیجہ بھی یہی کچھ ہوا اور یہی ہو سکتا تھا۔

درحقیقت دین ہر کلچر میں رہ سکتا ہے اس لئے کہ دین زندگی کی بنیادی اور ابدی اقدار کا نام ہے۔ یہ اساسی اقدار عدل، رحمت، مصالح اور حکمت وغیرہ ہیں جن کی مجموعی صورت خیر ہے اور مذکورہ بالا آیات میں اسی کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ فاستبقوا الخیرات۔ خیر کی طرف لپکو۔ ذرا سوچئے کہ جب "شرعت ومنہاج" کا اختلاف "استباق خیر" میں حائل نہیں ہو سکتا تو کلچر کا اختلاف اور ثقافت کی بوقلمونی اس استباقِ خیر میں ــــ جو اصل دین ہے ــــ کیوں مانع ہو؟ ــــ کسی خاص کلچر کو خواہ وہ عربی ہی کلچر کیوں نہ ہو اصل دین کی گردن پر سوار کرنا تو ایک کلچر (کافِ تشبیہہ سے) فعل ہے۔

اب اگر اسلام کو بحیثیت دین کے دنیا میں باقی رکھنا اور پھیلانا ہے تو اس کے سوا چارہ نہیں کہ شریعت اور کلچر کے اختلاف کو انگیز کر لیا جائے اور سارا زور وحدتِ دین پر دیا جائے۔ یہی وحدتِ دینی کی دعوت وحدتِ انسانی پیدا کر سکتی

ہے۔ اور اگر وحدت شریعت اور وحدت ثقافت پر زور دیا گیا تو یہ منشائے الٰہی کے خلاف ہے اور اس کا نتیجہ فساد فی الارض کے سوا کچھ نہ ہو گا۔ شریعت کے بارے میں جب ہم (اہل سنت) چار اختلاف کو گوارا کر لیتے ہیں تو زیادہ میں اسے کیوں گوارا نہیں کیا جا سکتا جبکہ شریعت کا بڑا تعلق ثقافت ہی سے ہوتا ہے؟

فروری کے "ثقافت" میں "دین و شریعت کے فرق" سے جو ایک سوال کا جواب دیا گیا ہے اسے بھی بغور دیکھ جائیے۔ اس میں دین و شریعت کے فرق کے علاوہ یہ تصریح بھی ملے گی کہ شریعت میں ثقافت قومی کا کتنا دخل ہے۔

حکمتِ رُومی

مولانا جلال الدین رُومیؒ کے افکار و نظریات ایسے دائمی حقائق ہیں جن کی اہمیت اور قدر و قیمت میں گردشِ زمانہ کوئی کمی نہ کر سکی اور ان کی مثنوی سے جس کو "قرآں در زبانِ پہلوی" کہا گیا ہے علامہ اقبال بھی ویسے ہی متاثر ہوئے جیسے کہ مولانا جامی۔ حکمتِ رومی ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کی بلند پایہ تصنیف ہے جو ماہیتِ نفسِ انسانی، عشق و عقل، وحی و الہام، وحدتِ وجود، احترامِ آدم، صورت و معنی، عالمِ اسباب اور جبر و قدر جیسے اہم ابواب پر مشتمل ہے۔ اور خلیفہ صاحب نے مولانائے روم کے افکار کا دُوسرے حکماء کے خیالات سے موازنہ کرتے ہوئے ان کی ایسی حکیمانہ تشریح کی ہے جو عصر حاضر کے تقاضوں کو محسوس کرتے ہوئے ذہن و فکر کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے اور ان مباحث کے متعلق صحیح اسلامی نقطۂ نظر کو واضح کرنے میں مفید و معاون ثابت ہو گی۔ قیمت تین روپے۔

اسلامک آئیڈیالوجی

مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم — انگریزی زبان میں اسلامی نظامِ فکر کا ایک جامع اور واضح خاکہ جس میں اِسلام کے بنیادی تصوّرات اور اقدار کو ظواہر و شعائر سے الگ کر کے ان غلط فہمیوں کا ازالہ کیا گیا ہے جو فرقہ واری اور فقہی مناقشات نیز جدید تعلیم یافتہ افراد کی مذہب سے بیزاری کا سبب ہیں۔ یہ کتاب سائنس اور مذہب میں تصادم کے اسباب۔ سائنس اور قرآن کا نظریۂ تعلیل۔ مادی۔ حیاتی اور روحانی زندگی کے باہمی اثرات فطری، ما فوق الفطری امور اور معجزات۔ توحید اور صفاتِ الٰہی۔ اسلامی تصوّرِ مملکت کی توضیح۔ اسلام اور دیگر نظاماتِ فکر کا تقابلی مطالعہ اور حضور سرورِ کائناتؐ اور کارل مارکس کی تعلیمات کا مقابلہ جیسے عالمانہ مباحث پر مشتمل ہے۔ اور نہایت واضح مدلّل اور دل نشین انداز میں لکھی گئی ہے۔ اسلام کے متعلق شکوک و شبہات کا ازالہ کرنے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ قیمت ساڑھے آٹھ روپے۔

ملنے کا پتہ

سکرٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ ۲۔ کلب روڈ۔ لاہور (پاکستان)